نیکی کے تصور اور اس کی حقیقت، نیکی کی اہمیت اور نیک شخص کے معیار سے متعلق دینِ اسلام کی تعلیمات

فیضانِ اسلام

(نیکی کی حقیقت)

مصنف: مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ

مکتبہ علمی دنیا
MAKTABA ILMI DUNYA

اسلامی عقائد و نظریات، تعلیمات اور دیگر امور کے حقیقی تصور کا بیان

فیضانِ اسلام

(نیکی کی حقیقت)

مصنف: مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ

فہرست

نیکی کی تعریف	3
"نیکی" اور "نیک شخص" کا معیار	7
عَلانیہ گناہ کرنے والے کو نیک کہنا کیسا؟	8
نیک نظر آنے والا کیا بارگاہِ الٰہی میں بھی نیک ہے؟	12
نیکیوں کے درجات اور ان کی تقسیم	19
زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کا طریقہ	22
عمل کئے بغیر ثواب	27
نیک شخص کے منہ پر اس کی تعریف کرنا	29
نیکی قبول ہونے کا کیسے پتا چلے؟	34
نکات	39

نگاہِ توجہ

اسلام، حبیبِ خدا، **محمد مصطفیٰ** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا لایا ہوا وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے منتخب اور پسند فرمایا، اس میں فرائض، حلال و حرام کے احکام اور قیاس کے قانون سب مکمل کر دیئے اور اسے تمام دینوں پر غالب فرمایا۔ یہ دین پچھلی شریعتوں کی طرح منسوخ نہیں ہو گا بلکہ تا قیامت باقی رہے گا اور اب صرف یہی دین رب العالمین کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہے، اس کے علاوہ کوئی دین، مذہب اور ملت کسی صورت قبول نہیں۔

دین اسلام اپنے اندر بے شمار خوبیاں رکھتا ہے اور اس کی ہر خوبی ایک سے بڑھ کر ایک ہے، جیسے یہ انسانی فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ، زندگی کے ہر شعبے میں قابلِ عمل اور دنیا و آخرت کے تمام امور سے متعلق کامل ترین رہنمائی فرمانے والا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم دین اسلام کو درست طریقے سے سمجھیں، اس کی تعلیمات اور بتائے ہوئے نظریات کی کامل سمجھ بوجھ حاصل کریں، جیسے یہ جانیں کہ دینِ اسلام کی نظر میں نیکی کی حقیقت اور گناہ کا تصور کیا ہے وغیرہ۔ کچھ عرصہ پہلے ہمارے معزز و مکرم مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتھم العالیہ نے فیضانِ اسلام کے نام سے مدنی چینل پر ایک سلسلہ شروع کیا جس میں اسلامی عقائد و نظریات، تعلیمات اور دیگر امور کے حقیقی تصور کو تفصیل کے ساتھ سوال و جواب کی صورت میں بیان فرمایا اور اب یہی سلسلہ تحریری صورت میں ڈھلنے کے بعد آپ کے پیشِ نظر ہے، اس کا خود بھی بغور مطالعہ کریں اور دوسروں کو بھی اسے پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ ہم دین اسلام کو اس کی روح کے مطابق سمجھ سکیں۔۔۔ **بشکریہ: ٹیم علمی دنیا**

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نیکی کی تعریف

سوال: نیکی کسے کہتے ہیں اور قرآن و حدیث میں اسے کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

جواب: دین کی کچھ اصطلاحات ایسی ہیں جن کے باقاعدہ اصطلاحی معنیٰ کرنا اگرچہ مشکل ہو، لیکن ان کا عام سا مفہوم ہر کوئی سمجھتا ہے جیسے علم کی تعریف۔ کتابوں میں علم کے بہت سے اصطلاحی معانی لکھے گئے جنہیں سمجھنا کافی مشکل ہوتا ہے، لیکن ویسے ہر کوئی سمجھتا ہے کہ علم کسے کہتے ہیں۔ جب اسے علم حاصل ہوتا ہے، تو وہ سمجھتا ہے کہ اسے علم حاصل ہوا اور جب نہیں ہوتا، تو وہ جانتا ہے کہ اسے علم نہیں ہے۔ اسی طرح نیکی اور گناہ کا تصور بھی مسلمانوں کے نزدیک بڑا واضح ہے۔ دینی سوچ رکھنے والے، دین سے محبت کرنے والے اور علمِ دین سے تھوڑا بہت بھی شغف رکھنے والے نیکی کا معنی سمجھتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے "**نیکی ہر وہ کام ہے جس پر ثواب ملے**" اب چاہے وہ کام بذاتِ خود ایسا ہو جو دینی ہو جیسے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی تسبیح کرنا یا درود شریف پڑھنا یا کسی غریب کی مدد کرنا کہ ان تمام کاموں کو ہر مسلمان نیکی سمجھتا ہے، یا یہ ہو کہ جائز کام اچھی نیت سے کیا جائے جیسے کھانا کھانا، یہ بذاتِ خود صرف جائز و مباح ہے، کہ نہ ثواب ہے، نہ گناہ، لیکن اگر آدمی اس میں اچھی نیت شامل کرلے کہ میں کھانا اس لئے کھا رہا ہوں، تاکہ توجہ سے نماز پڑھ سکوں، کیونکہ بھوک زیادہ ہوگی تو نماز میں توجہ نہ رہے گی۔ اسی طرح جو دیگر امورِ دینیہ سر انجام دیتے ہیں ان میں مدد حاصل کرنے کی نیت کرلے، تو اس اعتبار سے یہ نیکی کا کام بن جاتا

ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کا مفہوم بڑا واضح ہے اور ہم عام طور پر نیکی کو اِسی مفہوم میں لیتے ہیں کہ جس پر ہمیں ثواب ملے۔

اب رہی یہ بات کہ قرآن وحدیث میں نیکی کو کس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے؟ تو عرض ہے کہ قرآنِ پاک میں بڑے خوبصورت الفاظ نیکی کے بارے میں بیان ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک عرض کرتا ہوں۔ ایک لفظ "بِرّ" ہے۔ آیتِ مبارکہ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ [1]

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہیں پا سکو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

قرآنِ پاک میں نیکی کے لیے لفظ "خَیْر" بھی بیان ہوا، جیسے آیتِ مبارکہ ہے:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ [2]

ترجمہ: اور تم جو بھلائی کرو اللہ اسے جانتا ہے۔

ایک لفظ "معروف" بھی نیکی کے لیے قرآنِ پاک میں مذکور ہے، مشہور آیتِ مبارکہ ہے:

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [3]

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

1.....پارہ4، اٰلِ عمران:92۔

2.....پارہ2، البقرۃ:197۔

3.....پ4، آلِ عمران:110۔

پھر ایک اور لفظ جو بکثرت نیکی کے لیے آیا ہے، وہ ہے: "صَالِحٌ" یا "صٰلِحٰتٌ"، قرآنِ پاک میں نیکی کے لئے سب سے زیادہ شاید یہی لفظ آیا ہے، اعمالِ صالحہ یا نیک اعمال ہم عام استعمال کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا[1]

ترجمہ: جو نیکی کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لئے ہی کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے تو اپنے خلاف ہی کرتا ہے۔

دوسری آیت مبارکہ میں ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾[2]

ترجمہ: اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے کہ بیشک میں مسلمان ہوں۔

اور جن آیاتِ مبارکہ میں "صٰلِحٰتٌ" فرمایا گیا، وہ تو بہت ساری ہیں، جیسے فرمایا:

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾[3]

ترجمہ: زمانے کی قسم بیشک آدمی ضرور خسارے میں ہے مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

اسی طرح ایک اور بڑا خوبصورت لفظ ہے "مَرْضَاتٌ" اس کا مطلب ہے: اللہ کی

1.....پ24، حم السجدۃ:46۔

2.....پ24، حم السجدۃ:33۔

3.....پ30، العصر:1-3۔

رضا، خوشنودی، پسند اور اس کے ضمن میں اللہ کی پسندیدہ چیزیں داخل ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ نیکی کیا ہوتی ہے، کیسے بنتی ہے اور ہم نیکی کیوں کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے: اس لیے کہ یہ اللہ کو پسند ہے۔ قرآنِ پاک میں نیکی کے اس لفظ کی دلالت یوں موجود ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ(1)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اپنی جان بیچ دیتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

اسی طرح ایک اور لفظ "حَسَنَةٌ" بھی بہت زیادہ مذکور ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَه عَشْرُ اَمْثَالِهَا(2)

ترجمہ: جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔

یعنی جو ایک نیکی کرتا ہے اسے دس گنا ثواب دیا جاتا ہے۔

اسی طرح لفظ "احسان" بھی نیکی کے لیے قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ﴿۶۰﴾(3)

ترجمہ: نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔

یا فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾(4)

ترجمہ: اور اللہ نیک لوگوں سے محبت فرماتا

1.....پ2، البقرۃ:207۔

2.....پ8، الانعام:160۔

3.....پ27، الرحمن:60۔

4.....پ4، آلِ عمران:134۔

ہے۔

احسان کرنے والوں سے مراد ہے نیکی کرنے والے، اچھے عمل کرنے والے۔

یہ چند ایک الفاظ ہیں جو سرسری دیکھنے سے بیان کئے گئے، اگر مزید تلاش (Search) کریں تو اور بھی الفاظ مل سکتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے نیکی کے لیے جو مختلف تعبیرات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ہر ایک میں اپنی ایک خوبصورتی ہے، "اَلْبِرُّ" میں اپنی ایک خوبصورتی ہے اور "حَسَنَۃٌ" میں اپنا ایک جداگانہ حسن پایا جاتا ہے۔ عربی زبان جاننے والا یہ مفاہیم اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

"نیکی" اور "نیک شخص" کا معیار

سوال: اسلام میں "نیکی" اور "نیک شخص" کا معیار کیا ہے؟

جواب: نیکی کے بنیادی طور پر دو پہلو ہیں: (1) اَوَامر پر عمل۔ (2) نواہی سے اجتناب۔

ان کا سادہ سا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کام کرنا جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان چیزوں سے بچنا جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ **"نیکی"** کے لیے تو بذاتِ خود وہ نیکی کا عمل ہی کافی ہے، کہ ایک آدمی نے نماز پڑھی، اس نے نیکی کا کام کیا یا کسی نے کسی غریب کی مدد کی، اس نے نیکی کا کام کیا، لیکن نیک ہونا اس سے وسیع مفہوم رکھتا ہے، وہ اس اعتبار سے کہ نیک اسی کو قرار دیا جاتا ہے جو ان دونوں پہلوؤں پر عمل کرتا ہے، یعنی نیکی کے کام بھی کرتا ہو اور گناہوں سے بچتا بھی ہو؛ جیسے پرندے کے دو پَر ہوتے ہیں، یونہی نیک بننے کے لیے یہ دونوں چیزیں پَر کی حیثیت رکھتی ہیں اور جیسے پرندہ ایک پَر کے ساتھ نہیں اُڑ سکتا اسی طرح ایک طرف پر عمل کرنے سے آدمی نیک نہیں بن سکتا۔ ہمارے عرف میں بھی اس کا یہی مطلب لیا جاتا ہے اور ہمارے دین میں بھی اس کی یہی تعبیر ہے، مثلاً ایک آدمی

نمازی بھی ہے، روزے بھی رکھتا ہے، ہر سال حج بھی کرتا ہے، غریبوں کی مدد بھی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ رشوت خور بھی ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ یہ فلاں فلاں اچھے اعمال کرتا ہے، صرف رشوت ہی لیتا ہے، لہٰذا یہ نیک ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ گناہِ صغیرہ بار بار کیا یا کبیرہ گناہ کیا اور اس سے توبہ نہیں کی؛ تو وہ نیک نہیں ہے۔

اسی طرح ایک آدمی اگر نماز نہیں پڑھتا، یا صرف کوئی ایک نماز مثلاً فجر ترک کرتا ہے، یا اس پر جماعت واجب ہے، لیکن وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتا تو اگرچہ باقی سارے کام کر رہا ہے، یعنی اس کا اخلاق بھی اچھا ہے، وہ رزقِ حلال بھی کماتا ہے، ذکر و اذکار بھی کرتا ہے، اس کے باوجود شریعت یہ فرماتی ہے کہ جو جماعت کو ترک کرے وہ فاسق ہے، مردود الشہادہ ہے، اس کی گواہی قبول نہیں۔ پتا چلا کہ نیک کا لفظ جس پر بولا جائے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکیاں کرنے والا بھی ہو اور گناہوں سے بچنے والا بھی ہو۔

عَلانیہ گناہ کرنے والے کو نیک کہنا کیسا؟

سوال: معاشرے میں ایک پہلو یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض لوگ علانیہ گناہ کر رہے ہوتے ہیں، لیکن ان کی چند اخلاقی چیزیں اچھی ہوتی ہیں جس پر بعض اوقات انہیں نیک کہا جاتا ہے، بلکہ نیک کہنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اس کی کچھ وضاحت فرما دیں۔ نیز آپ نے نیک بننے کا جو تصور (Concept) بیان کیا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نیک بننا آسان نہیں؟

جواب: ہر اچھے کام کے لئے عموماً ایک خاص لفظ ہوتا ہے، مثلاً ایک آدمی اپنے غریب رشتے داروں کا خرچہ اٹھاتا ہے، پاس پڑوس اور محلے کے غریبوں کو بھی دیتا ہے، سالانہ بھی اچھا خاصا مال تقسیم کرتا ہے، صدقات و خیرات کرتا ہے اور یہ سب رزقِ حلال سے کرتا

ہے تو ہم اسے کہیں گے کہ یہ سخی ہے یا سخاوت کی نیکی کے اعتبار سے یہ نیک ہے یعنی اس نیکی کا عامل ہے، البتہ وہ نیک جو اللہ کی بارگاہ میں مطلقاً نیک قرار پائے اور جسے صالحین میں شمار کیا جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں پہلوؤں یعنی نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے پر کاربند ہو۔

اسی طرح ایک آدمی نمازیں پڑھتا ہے، لیکن کاروبار میں ڈنڈی بھی مارتا ہے تو نماز پڑھنے کے اعتبار سے ہم کہیں گے کہ یہ بڑا پکا نمازی ہے، لیکن اسے مطلقاً نیک نہیں کہہ سکتے۔ گویا نیکیاں کرنا اور گناہوں سے بچنا یہ نیک بننے کے مختلف حصے (Parts) ہیں، مجموعی طور پر یوں کہہ لیں کہ ایک بلڈنگ جس کی چھت نہیں ہے اس کو یہ نہیں کہتے کہ یہ مکمل بلڈنگ ہے یا جس کی دیواریں نہیں وہ بھی مکمل بلڈنگ نہیں ہے۔ چنانچہ نیک ہونا کہ جس پر صالحین کا اطلاق کیا جائے اور جو اللہ کی بارگاہ میں نیک ہونے کی حیثیت سے مقبول ہو، وہ وہی ہے جو خدا کے تمام احکام پر عمل کرنے والا ہو۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی کا معمولی سا عمل بھی قبول فرما کر اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ یہ ایک الگ معاملہ (Matter) ہے، یہ اس کی رحمت ہے، لیکن جسے ہم نیک کہیں گے اس کے بارے میں لوگ اِفراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، مثلا ایک آدمی حقوق العباد میں بڑا اچھا ہے اور حقوق اللہ بالکل ادا نہیں کرتا، وہ شریعت کی رُو سے بہر حال نیک نہیں ہے۔ کیونکہ حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ بھی ہیں۔ اس لئے اگر کسی شخص کے لوگوں کے ساتھ معاملات بڑے اچھے ہیں، لیکن وہ نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، حج فرض ہونے کے باوجود نہ کرے، زکوٰۃ نہ دے تو وہ آدمی نیک نہیں اور اسی طرح اگر ایک آدمی ان چیزوں پر عمل کرے یعنی نماز پڑھے، روزہ رکھے، حج کرے، زکوٰۃ دے، نفلی صدقات

www.dawateislami.net

بھی دے، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن بھی کرے، لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو ایذا دینے والا ہے، دوسرے لوگوں کو تنگ کرنے والا ہے، لوگوں کے حقوق پورے نہیں کرتا، لوگوں کا مال دبایا ہوا ہے، ایسا آدمی بھی ہر گز نیک نہیں ہے۔

بہر حال نیک بننے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی گناہوں سے بچے اوراس بچنے میں سود، رشوت، ظلم، غیبت، چغلی، جھوٹ، تہمت، الزام تراشی، بد نگاہی وغیرہ سب گناہوں سے بچنا شامل ہے اور دوسری چیز یہ کہ تمام فرائض و واجبات پر عمل کرے، اس میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سب امور شامل ہیں، تو جہاں جہاں جس کا جو جو موقع آتا جائے اس کے مطابق کرتا جائے۔ سنت مؤکدہ پر عمل بھی ہونا چاہیے اور سنت مؤکدہ کے چھوڑنے پر اصرار کرنے سے بچنا چاہئے کہ اس اصرار سے بھی آدمی گناہگار ہوتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ **"اس طرح تو نیک بننا بڑا مشکل ہے"** اس بارے میں اول تو یہ عرض ہے کہ نیکی کا صلہ یعنی جنت کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس کے لیے جان و مال کی قربانی دینی پڑتی ہے، کسی جگہ حقیقتاً ہی جان قربان کرنا پڑتی ہے اور کسی جگہ اپنی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ﴿۴۱﴾[1]

ترجمہ: اور رہا وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے۔

نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنا ضروری ہے کہ گناہ مثلاً بد نگاہی، غیبت کرنے کو

1.....پ30، النزعت:40و41۔

دل کر رہا ہے، لیکن اپنے نفس کو روکنا ہے، جھوٹ بولنے کا ارادہ ہے کہ جھوٹ نہیں بولیں گے تو کام نہیں نکلے گا، لیکن اپنے آپ کو روکنا پڑے گا۔ اب یہ شبہ کہ یہ تو بہت مشکل ہے تو عرض یہ ہے کہ مشکل ہو گا، لیکن ناممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] ترجمہ: اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو "قوتِ ارادی" ایک ایسی شے عطا کی ہے جس کے ساتھ آدمی "کے ٹو (K2)" پہاڑ کی چوٹی بھی سر کر لیتا ہے، حالانکہ وہ پہاڑوں پر چڑھنے والا ہماری ہی طرح کا انسان ہوتا ہے۔ اگر ہمیں کوئی اس پہاڑ پر چڑھنے کا کہے تو ہم وہاں کی سردی، بلندی، گھاٹیاں، وادیاں دیکھتے ہی ڈر جائیں گے اور آگے قدم نہیں بڑھائیں گے، لیکن جو پہاڑ پر چڑھ گیا، وہ کیسے چڑھ گیا؟ **جواب:** اس کی قوتِ ارادی تھی۔ اب غور کریں کہ یہ پہاڑوں پر چڑھنا تو بہت مشکل کام ہوتا ہے، لیکن قوتِ ارادی اور ہمت سے یہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، اس کے مقابلے میں دیکھیں کہ نمازیں پڑھنا کتنا مشکل ہے؟ حقیقت میں تو نماز پڑھنے میں کوئی بڑی مشقت یا تکلیف نہیں ہے، بلکہ آدمی کو اس سے ذہنی تسکین ملتی ہے، دل کو سکون اور بدن کو طہارت ملتی ہے، اعضا کو بھی راحت نصیب ہوتی ہے، کام کی تھکاوٹ دور ہوتی ہے۔ یہ عبادت تو آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ یہی معاملہ اکثر نیکیوں کا ہے۔ اسی طرح گناہوں سے بچنے کا معاملہ ہے کہ پہلی مرتبہ تو شاید غیبت سے بچنا مشکل ہوتا ہو، لیکن دوسری مرتبہ تھوڑا سا کم مشکل، تیسری مرتبہ آسان، چوتھی پانچویں مرتبہ میں اس کے لیے غیبت کرنا، نہ کرنا برابر ہو جائے گا اور یہ بچنا اس کے

1.....پ3، البقرة:286۔

لیے لطف کی بات ہو گی، کیونکہ اسے یہ احساس ہو گا کہ میں اللہ کی رضا کے لیے غیبت سے بچ رہا ہوں۔ یہی چیز اس کے لیے راحت کا ذریعہ بن جائے گی اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ مومن صالح کے لیے خود غیبت کرنا تو دور کی بات ہے، کوئی دوسرا بھی غیبت کرے تو اس کی طبیعت بے مزہ ہونا شروع ہو جائے گی۔ بزرگانِ دین کے ایسے واقعات کتابوں میں موجود ہیں اور آج بھی ایسے صالحین موجود ہیں کہ ان کے سامنے غیبت ہونے لگے تو ان کی طبیعت میں کوفت اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ **خلاصہ کلام** یہ ہے کہ گناہ سے بچنا یا نیکی کرنا ابتدا میں مشکل ہوتا ہے، لیکن جب آدمی کوشش کرے، قوتِ ارادی استعمال کرے اور بار بار کرے تو نیک بننا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔

نیک نظر آنے والا کیا بارگاہِ الٰہی میں بھی نیک ہے؟

سوال: کیا یہ ضروری ہے کہ جسے ہم نیک سمجھتے ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں بھی نیک ہو؟

جواب: اس سوال کے جواب میں کئی پہلو بن سکتے ہیں۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ لوگ نیک کسے سمجھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے جو "نیک" کی تعریف پر پورا اترے، شریعت کی رُو سے ہمیں حکم ہے ہم اسے نیک سمجھیں۔ ایک آدمی ہمارے سامنے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا، تمام فرائض واجبات اور سنن مؤکدہ ادا کرتا ہے اور ایسا کوئی خارجی قرینہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کو گنہگار قرار دیں تو ہم اسے نیک سمجھیں گے اور شرعاً واجب ہو گا کہ اس کے بارے میں بدگمانی نہ کریں، لیکن حقیقی صورتِ حال اس سے مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن، خلوت و جلوت، اچھی بری نیت سب کو جانتا ہے۔ مثال کے طور پر

ایک آدمی نمازی، تہجد گزار بھی ہے، فرض اور نفلی روزے بھی رکھتا ہے، صدقات و خیرات بھی کرتا ہے، بلکہ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہید بھی ہوگیا یا وہ بڑا بلند پایہ عالم ہے، لوگ اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں، لیکن معاذاللہ ان میں سے کسی میں ریاکاری پائی جاتی ہے تو خدا کی بارگاہ میں ان کا معاملہ جدا ہو جاتا ہے جیسے حدیث مبارک میں فرمایا:

”قیامت کے دن سب سے پہلے ایک شہید کا فیصلہ ہو گا، جب اسے لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے بدلے میں کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور وہ تجھے کہہ لیا گیا۔ پھر اس کے بارے میں جہنم میں جانے کا حکم دے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اُس شخص کو لایا جائے گا جس نے علم سیکھا، سکھایا اور قرآنِ پاک پڑھا، وہ آئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، وہ بھی ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے بدلے میں کیا کِیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیرے لئے قرآنِ کریم پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے اس لیے علم سیکھا تا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآنِ پاک اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے اور وہ تجھے کہہ لیا گیا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈالنے کا حکم ہو گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک مالدار شخص کو لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا مال عطا فرمایا تھا، اسے لا کر نعمتیں یاد دلائی

جائیں گی تو وہ بھی ان نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے بدلے کیا کِیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے تیری راہ میں جہاں ضرورت پڑی وہاں خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے یہ سخاوت اس لیے کی تھی کہ تجھے سخی کہا جائے اور وہ کہہ لیا گیا۔ پھر اس کے بارے میں جہنم کا حکم ہو گا تو اسے بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"[1]

تو پتا چلا کہ بندوں کی نظر میں ایک آدمی سخی ہے، عالم ہے، قاری ہے، شہید ہے یا کوئی بھی دوسرا اچھا عمل کرنے والا ہے، اب ہمارے اعتبار سے اگرچہ وہ اچھا ہے اور ہم اس پر بدگمانی نہیں کریں گے کہ فلاں شہید ریاکار تھا یا فلاں عالم ریاکار ہے۔ یہ کہنا بہتان اور حرام ہے، کیونکہ ہم دل کی حالت نہیں جانتے، لیکن اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں کو جانتا ہے، اس نے فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۠ ﴿۸﴾[2]

ترجمہ: تم فرماؤ: بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو پس وہ ضرور تمہیں ملنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف پھیرے جاؤ گے جو ہر غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال بتادے گا۔

تو اللہ تعالیٰ بتائے گا کہ بندے کیا کرتے تھے اور ان کی نیت کیا تھی؟ اس لیے ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے سات فرشتوں کو پیدا فرمایا اور ہر آسمان کے دروازے پر اس دروازے کی قدر و منزلت کے مطابق ایک

1.....مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل للریاء۔۔۔الخ، 3/1513، الحدیث:1905۔

2.....پ28، الجمعة:8۔

ایک فرشتے کو دربان مقرر فرمایا، پس ''کِرَامًا کَاتِبِیْن'' بندے کے اَعمال لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، تو اُن میں سورج کی سی روشنی اور چمک ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ پہلے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور ''کِرَامًا کَاتِبِیْن'' اُس کے عمل کو بہت زیادہ اور خالص سمجھتے ہیں، پھر جب وہ دروازے پر پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ اُن سے کہتا ہے: اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں غیبت پر مقرر فرشتہ ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے، وہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

پھر دوسرے دن فرشتے ایسے اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں جن میں نور ہوتا ہے، فرشتے اسے بہت زیادہ اور پاکیزہ سمجھتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو، کیونکہ اس عمل سے اس کی نیت دنیا کمانے کی تھی، مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر فِرشتے شام تک اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

''کِرَامًا کَاتِبِیْن'' بندے کے اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں اور اُن سے بڑا خوش ہوتے ہیں، اُن میں صدقہ، روزہ اور بہت سی نیکیاں ہوتی ہیں، فرشتے ان کو بہت زیادہ اور پاکیزہ خیال کرتے ہیں، پھر جب وہ تیسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو، میں تکبر والوں پر مقرر فرشتہ ہوں، میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کا عمل اُوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہو، یہ آدمی مجلسوں میں لوگوں پر بڑائی مارتا ہے۔

یوں ہی فرشتے بندے کے اعمال لے کر اُوپر جاتے ہیں، وہ اعمال ستاروں کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں اور اُن میں تسبیح کی آواز ہوتی ہے، اُن میں نماز، روزہ اور حج وعمرہ ہوتا ہے، جب فرشتے ان اعمال کو لے کر چوتھے آسمان پر جاتے ہیں تو وہاں مقرر فرشتہ اُن سے کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو، میں خود پسندی والوں کا فرشتہ ہوں، میرے ربّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس آدمی نے جب بھی کوئی عمل کیا اُس میں خود پسندی کا شکار ہو گیا۔

اسی طرح فرشتے کسی بندے کے اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں وہ اعمال اس طرح آراستہ ہوتے ہیں جیسے دلہن سسرال جانے کے وقت سجتی ہے، ان اعمال میں جہاد و حج جیسے اعمال ہوتے ہیں۔ اُن کی چمک سورج جیسی ہوتی ہے۔ جب فرشتے انہیں لے کر پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ کہتا ہے: میں حسد کرنے والوں کا فرشتہ ہوں، یہ آدمی لوگوں پر اُن چیزوں میں حسد کرتا تھا جو اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں، یہ آدمی خدا تعالیٰ کی پسند پر ناراض تھا۔ میرے ربّ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں ایسے شخص کا عمل اُوپر نہ جانے دوں جو اسے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوا۔

اور فرشتے کسی بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں، اُن میں کامل وضو، بہت سی نمازیں، روزے، حج اور عمرہ ہوتا ہے وہ چھٹے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو دروازے پر مقرر نگہبان فرشتہ کہتا ہے: میں رحمت کا فرشتہ ہوں، اِن اعمال کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو، کیونکہ یہ آدمی کبھی کسی انسان پر رَحم نہیں کرتا تھا اور کسی بندے کو مصیبت پہنچتی تھی تو خوش ہوتا تھا۔ میرے ربّ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اُس کے اعمال

اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

یوں ہی فرشتے ایک بندے کا عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں جس میں بہت سا صَدَقہ، نماز، روزہ، جہاد اور پرہیز گاری ہوتی ہے، اُن کی آواز گرج جیسی اور چمک بجلی کی چمک جیسی ہوتی ہے، پھر جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس آسمان پر مقرر فرشتہ کہتا ہے: میں تذکرہ وشہرت پر مقرر فرشتہ ہوں، اِس عمل والے نے اپنے عمل سے مجلسوں میں تذکرہ، دوستوں میں بلندی اور بڑے لوگوں کے نزدیک جاہ پسندی کی نیت کی تھی، میرے ربّ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس کے عمل کو اُوپر نہ جانے دوں کہ یہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہر وہ عمل جو اللہ کے لئے خالص نہ ہو وہ ریاکاری ہے اور رِیاکار کا عمل اللہ قبول نہیں فرماتا۔

اِسی طرح "کِرَامًا کَاتِبِیْن" بندے کے اَعمال یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ، اچھا اخلاق، خاموشی اور ذکرِ الٰہی لے کر اوپر جاتے ہیں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ تک پہنچ کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بندے کے عمل کے نیک اور خالص ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: تم میرے بندے کے عمل کے محافظ ہو، جبکہ میں اُس کے دل کی نگرانی کرنے والا ہوں۔ اس نے اپنے اس عمل سے میرا ارادہ کیا، نہ اِسے میرے لئے خالص کیا اور اس عمل سے اس کی جو نیت تھی میں اسے خوب جانتا ہوں، اس پر میری لعنت ہے، اس نے بندوں کو بھی دھوکا دیا اور تم کو بھی دھوکا دیا، مگر یہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا، کیونکہ میں غیبوں کا جاننے والا ہوں، دلوں کے خیالات سے واقف ہوں، کوئی چھپی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں اور کوئی بھی دور چیز مجھ سے دور نہیں، میرا علم حال کے

متعلق بھی اُسی طرح ہے جیسے مستقبل کے متعلق ہے اور گزری ہوئی چیزوں کے ساتھ میرا علم اُسی طرح ہے جیسا کہ باقی و موجودہ چیزوں کے ساتھ اور پہلے لوگوں کو بھی میرا علم ویسے ہی محیط ہے جیسا بعد والوں کو محیط ہے، میں ہر پوشیدہ در پوشیدہ کو خوب جانتا ہوں، پھر بھلا میرا بندہ مجھے دھوکا کیسے دے سکتا ہے؟ وہ تو صرف بے خبروں کو دھوکا دیتا ہے، جبکہ میں تو غیبوں پر بھی باخبر ہوں، اس بندے پر میری لعنت ہے۔ اب ساتوں فرشتے اور ساتھ جانے والے تین ہزار ملائکہ کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! اس پر تیری لعنت اور ہماری بھی لعنت۔ پھر آسمان والے کہتے ہیں: اِس پر اللہ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔[1]

فرشتوں کی نظر میں وہ اعمال بالکل صحیح ہوتے ہیں کہ بڑے اچھے طریقے سے، خشوع و خضوع سے نماز پڑھی ہے، تکبیر اولیٰ کے ساتھ، باجماعت، پہلی صف میں، بڑی توجہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، پوری نماز میں نہ اس نے بدن کھجایا، نہ ادھر ادھر دیکھا، نہ نگاہ اٹھائی، اس کی قراءت کی آواز بھی بڑی اچھی تھی، سب کچھ تھا، لہٰذا اس کے اعمال اچھے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے دل کی حالت جانتا ہے کہ اس کا یہ سارا خشوع و خضوع اور توجہ اور جو کچھ بھی ہے سب کا سب لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے تو وہ عمل مردود ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو جنت کی طرف لے جانے کا حکم ہو گا، یہاں تک کہ جب وہ جنت کے قریب پہنچ کر اس کی خوشبو سونگھیں گے، اس کے محلات اور اس میں اہلِ جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ نعمتیں دیکھ لیں گے، تو ندا دی جائے گی: انہیں جنت سے لوٹا دو، کیونکہ ان کا جنت میں کوئی حصہ نہیں۔ (یہ ندا سن کر) وہ

1.....منہاج العابدین، ص396۔

ایسی حسرت کے ساتھ لوٹیں گے کہ اس جیسی حسرت کے ساتھ ان سے پہلے لوگ نہ لوٹیں ہوں گے، پھر وہ عرض کریں گے: یارب! اگر تو اپنا ثواب اور اپنے اولیاء کے لئے تیار کردہ نعمتیں دکھانے سے پہلے ہی ہمیں جہنم میں داخل کر دیتا تو یہ ہم پر زیادہ آسان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے ارادۃً تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے (اور اس کی وجہ یہ ہے کہ) جب تم تنہائی میں ہوتے تو بڑے بڑے گناہ کر کے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کرتے اور جب لوگوں سے ملتے تو عاجزی و انکساری کے ساتھ ملتے تھے، تم لوگوں کو اپنی وہ حالت دکھاتے تھے جو تمہارے دلوں میں میرے لئے نہیں ہوتی تھی، تم لوگوں سے ڈرتے اور مجھ سے نہیں ڈرتے تھے، تم لوگوں کی عزت کرتے اور میری عزت نہ کرتے تھے، تم لوگوں کی وجہ سے برا کام کرنا چھوڑ دیتے، لیکن میری وجہ سے برائی نہ چھوڑتے تھے، آج میں تمہیں اپنے ثواب سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے عذاب کا مزہ بھی چکھاؤں گا۔[1]

اس تمام کلام سے معلوم یہ ہوا کہ ہمارے سامنے جو نیک ہے ہم اسے نیک ہی سمجھیں گے اور اس پر بدگمانی نہیں کریں گے، بقیہ حقیقتِ حال کیا ہے وہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے۔

نیکیوں کے درجات اور ان کی تقسیم

سوال: جس طرح گناہوں میں صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہوتے ہیں، کیا یہ تقسیم نیکیوں میں بھی ہے؟

جواب: گناہوں میں یہ تقسیم معروف ہے، صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ، لیکن صغیرہ کبیرہ نیکیوں کی اصطلاح استعمال نہیں کی جاتی، اگرچہ نیکیوں میں چھوٹی بڑی نیکیاں ہوتی ہیں۔

سوال: نیکیوں میں چھوٹی بڑی ہونے کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟

1.....معجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، 4 / 135، الحدیث: 5478۔

جواب: نیکی کی مختلف قسموں میں کئی اعتبار سے فرق ہے، مثلاً ایک فرق یہ ہے کہ فرض کا درجہ سب سے بڑا ہے، اس کے بعد واجب، اس کے بعد سنت اور اس کے بعد نفل کا درجہ ہے۔

نیکیوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے ستر گنا زیادہ ہوتا ہے، یہ ہر عمل کے اعتبار سے ہے، یعنی فرض نماز کا ثواب نفلی نماز سے، فرض روزے کا ثواب نفلی روزے سے، فرض زکوٰۃ کا ثواب نفلی صدقات سے اور فرض حج کا ثواب نفلی حج سے ستر گنا زیادہ ہے۔

نیکیوں میں تیسرا فرق یہ ہے کہ خود نیک اعمال میں ایک دوسرے کے مقابلے میں فرق ہے جیسے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہ سب سے بڑی نیکی ہے، زکوٰۃ اور روزہ اس کے بعد آتے ہیں، پھر حج کی فضیلت ہے۔ اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں کئی چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ فلاں عمل افضل ہے اور فلاں عمل اُس سے کم ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سوال کیا گیا:

"کون سا عمل افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایمان لانا۔ عرض کی گئی: پھر کیا؟ ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔ عرض کی گئی: پھر کیا؟ ارشاد فرمایا: حج مبرور۔"[1]

اسی طرح ایک بڑی معروف حدیث ہے جس کی شرح پر پوری پوری کتابیں موجود ہیں کہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

1.....بخاری، کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان ھو العمل، 1/21، الحدیث:26۔

”ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں تو ان میں سب سے افضل ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ“ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ، راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیا ایمان کی ایک مرکزی شاخ ہے۔“[1]

اب یہاں بذاتِ خود بتادیا کہ ستر سے زیادہ درجے ہیں جن میں سب سے عظیم نیکی ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ“ ہے۔ اور یہ سب نیکیاں ستر سے زیادہ ہیں، وہ 72 ہیں یا 79 ہیں، اس حدیث کی شرح پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئی ہیں، امام بیہقی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ کی ”شعب الایمان“ اسی پر ہے۔ ”شعب الایمان“ کا مطلب ہے: ایمان کی شاخیں۔

ایک یہ حدیث پاک بھی معروف ہے کہ

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کے بعد سب اعمال سے زیادہ محبوب مسلمان کے دل میں خوشی داخل کرنا ہے۔“[2]

اب یہ دیگر اعمال سے بڑی نیکی ہو گئی کہ فرائض بذاتِ خود ایک بڑی نیکی تھی تو وہ ایک خاص قسم (Category) تھی، اس کے بعد جو نیچے نفلی قسم (Category) شروع ہوئی ان میں جو سب سے اوپر والی نیکی تھی وہ فرمایا کہ مسلمان کے دل میں خوشی داخل کرنا ہے۔ یہ معاملات اور لوگوں کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے ہے۔ اگر حقوق اللہ کے اعتبار سے دیکھیں جیسے بہت ساری احادیثِ مبارکہ میں ہے کہ سب سے افضل نیکی اللہ کا ذکر ہے، پھر اذکار میں بھی درجے ہیں، افضل الذکر ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ“ ہے، یعنی اذکار میں سب سے زیادہ فضیلت والا اور سب سے بڑی نیکی والا ذکر ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ“ پڑھنا ہے۔ افضل دعا

1.....مسلم، کتاب الایمان، باب شعب الایمان، 1/63، الحدیث: 35۔

2.....معجم کبیر، 11/71، الحدیث: 11079۔

"اَلْحَمْدُلِلّٰہ" ہے۔ اسی طرح آیاتِ مبارکہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ ان میں یہ ترتیب ہے جیسا کہ اکثر جگہ نماز کا ذکر زکوٰۃ سے پہلے آیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ[1] ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

اگرچہ ترتیب سے فقہی احکام ثابت نہیں ہوتے، لیکن آخر زکوٰۃ کو پہلے کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟ اس کی حکمت علمانے یہ بیان فرمائی کہ نماز افضل ہے تو اس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے، زکوٰۃ کا مرتبہ اس کے بعد ہے، لہٰذا اسے بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔

زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کا طریقہ

سوال: وہ کون سے نیک اعمال ہیں جو کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے اور زیادہ قربِ الٰہی پانے کا ذریعہ ہیں؟

جواب: جو زیادہ سے زیادہ ثواب کمانا اور نیکیاں کرنا چاہتا اور اس کے ذریعے اللہ کا قرب چاہتا ہے، **اس کے لئے پہلا مفید مشورہ یہ ہے** کہ وہ اپنا ہر عمل سنت کے مطابق کرلے، کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مبارک طریقہ سب سے افضل ہے، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جیسے نماز پڑھی، اسی طرح نماز پڑھنا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جیسے روزے رکھے، اسی طرح روزے رکھنا، جیسے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ذکر اللہ کیا، تلاوت کی، نیکی کی دعوت دی، حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا، اپنے گھر والوں سے معاملہ فرمایا اور زندگی گزاری، اسی طرزِ زندگی اور سیرتِ طیبہ کی پیروی سب سے افضل، اکمل، اجمل ہے۔ جس کا عمل سنت کے جتنا قریب ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے اتنا ہی قریب ہوگا۔

زیادہ ثواب و قرب کے لئے دوسرا مشورہ یہ ہے کہ آدمی اپنا مطالعہ زیادہ کرے،

1.....پ1، البقرۃ:43۔

قرآن و حدیث میں بہت سے وہ اعمال بیان ہوئے ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ افضل عمل ہیں۔ دو اعمال میں ایک افضل ہوتا ہے اور دوسرا مفضول یعنی ایک زیادہ فضیلت والا جبکہ دوسرا کم فضیلت والا، مثلاً ایک عزیمت ہے اور دوسرا عمل رخصت، تو عزیمت کو اختیار کرے۔ دو نیکیوں میں بڑی نیکی اختیار کرنے کی کوشش کرے۔

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے بہت سے افضل اعمال کا علم حاصل ہو گا جیسے حدیث مبارک میں فرمایا:

"تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور قرآن سکھائے۔"[1]

تو پتا چل گیا کہ بہتر اور افضل وہ آدمی ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔ اسی طرح فرمایا:

"تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے۔"[2]

تو پتا چلا کہ گھر والوں سے جو جتنا اچھا ہو گا وہ اتنا نیک ہو گا، لہٰذا اب نیک بننا، زیادہ قرب حاصل کرنا ہے تو اپنے گھر والوں سے زیادہ اچھا سلوک کرنا شروع کر دے، ماں باپ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، اتنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گا۔ اسی طرح رات میں نوافل پڑھنے ہوں تو اس کا ایک وقت عشا کے فوراً بعد ہے، ایک آدھی رات کو ہے، ایک آخری پہر ہے اور آخری پہر کی نماز کی زیادہ فضیلت ہے، لہٰذا اس کو اختیار کرے۔ یوں کوشش کرنے سے ہر نیکی میں افضل اور بہتر نیکی کا علم حاصل ہو جائے گا۔ میں نے اس کا جو بطورِ خاص مطالعہ کیا ہے تو کوئی ہزار کے قریب حدیثیں ایسی دیکھی ہیں، جن میں بیسیوں اعمال

1.....بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، 3/410، الحدیث: 5027۔

2.....ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل ازواج النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، 6/192، الحدیث: 3895۔

کے متعلق **افضل**، بہتر، خیر، اعلیٰ وغیرہ الفاظ ہیں کہ یہ نیکی سب سے **افضل** یا بہتر یا احسن ہے۔اس طرح کے کثیر اعمال ہیں۔

زیادہ نیکیاں کمانے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ نیتوں کا علم سیکھے، کیونکہ نیک عمل تو ایک ہی ہوتا ہے، لیکن دو عمل کرنے والوں میں نیت کے اعتبار سے بہت فرق آجاتا ہے مثلاً زید اور بکر نام کے دو آدمی ایک ہی نیکی کرتے ہیں، لیکن کوئی ایک اس عمل میں نیتیں زیادہ کرلیتا ہے جیسے دونوں مسجد میں آتے ہیں اور ایک کی نیت صرف مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی ہے، جبکہ دوسرے نے اس کے ساتھ تیس نیتیں اور ملالیں کہ مسجد جارہا ہوں تو خانہ خدا کی زیارت کروں گا، مسلمانوں کا قرب حاصل کروں گا، نیک لوگوں سے ملاقات کروں گا، نماز کے بعد مصافحہ کروں گا، نماز کے انتظار میں بیٹھوں گا، نماز کے بعد بھی کچھ دیر بیٹھوں گا، مسجد میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کروں گا، مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت حاصل کروں گا، اعتکاف کی نیت کروں گا، کوئی بیمار ہو گا تو اس کی تیمارداری کروں گا، کسی پریشان حال کی پریشانی دور کروں گا، مسلمانوں کی خیر و عافیت دریافت کروں گا، مسکرا کر ملوں گا۔اب اس نے جتنی نیتوں کا اضافہ کیا اس کا ثواب بھی بڑھ گیا اور یہ اتنا ہی زیادہ نیک ہو گیا۔بہت مرتبہ نیکوں میں فرق ان کی نیتوں کی وجہ سے ہوتا ہے، دو آدمی برابر کے عمل کر رہے ہوتے ہیں، لیکن ایک اپنی زیادہ نیتوں کی وجہ سے روحانیت بھی زیادہ حاصل کرلیتا ہے، متقی بھی زیادہ بن جاتا ہے، نیک بھی زیادہ ہوتا ہے، اللہ کی بارگاہ میں قرب بھی زیادہ حاصل کرلیتا ہے۔تو نیتوں کا معاملہ بڑا خوبصورت اور بہت عظیم ہے، اسی لیے بزرگانِ دین نے نیت کو باقاعدہ ایک سائنس یعنی ایک علم قرار دیا، نماز کے شرعی مسائل، روزے کے شرعی مسائل، زکوۃ کے شرعی مسائل کی طرح وہ نیت کے شرعی مسائل کو باقاعدہ

سیکھتے تھے اور عمل کرنے سے پہلے نیت کو مستحضر کرتے تھے، جیسے حضرت سفیان ثوری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت حماد بن ابو سلیمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ جب پوچھا گیا کہ آپ ان کے جنازے میں کیوں شریک نہ ہوئے؟ تو فرمایا: اگر میری نیت حاضر ہوتی تو میں جنازہ پڑھتا۔[1]

اسی طرح ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے، ان سے کہا گیا کہ چلیں فلاں کام کرنے کے لیے۔ انہوں نے کہا: ٹھہرو اور پھر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد چلے۔ لوگوں نے کہا کہ حضور! یہ کیا؟ فوراً ہی چل پڑتے۔ فرمایا: میں نے کھڑے ہو کر پہلے نیت حاضر کی کہ میں کیوں جا رہا ہوں کس نیت سے جا رہا ہوں؟ اس کے بعد چلا۔ یعنی نیت کے لئے کچھ دیر توقف کیا تھا۔

نیت کا علم عظیم علوم میں سے تھا جو دیگر علوم کی طرح زمانہ سے کم ہی ہوتا گیا۔ اب الحمد للہ دعوتِ اسلامی کے ماحول کی وجہ سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا ہے جیسے کھانے سے پہلے تو ماشاء اللہ اب ہمارے بچے بھی نیت کر لیتے ہیں کہ عبادت پر قوت حاصل کرنے کے لیے کھاتا ہوں۔ ابھی ہو سکتا ہے کہ بچے کو اس جملے کا مفہوم بھی پتا نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، لیکن جب اسے سمجھ آئے گی تو وہ سمجھ کر کہنا شروع کر دے گا۔ اب بہت سارے لوگوں میں بہت اچھی نیتیں شروع ہو گئی ہیں۔ یہ بڑا خوبصورت طریقہ ہے۔ اس پر امیر اہلسنت کا رسالہ بھی آ چکا ہے اور مزید بھی کتابیں موجود ہیں۔ یہ رسالہ پڑھ لیں اور پھر اپنے کاموں پر غور کر لیں تو بہت سی اچھی نیتیں کی جا سکتی ہیں۔

زیادہ نیکیاں کمانے کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ وہ کام کرے جو صدقہ جاریہ ہوں، کیونکہ یہ نہ ختم ہونے والی نیکی ہے، مثلاً کسی نے پوری مسجد بنا دی اور پوری مسجد نہ بنا سکے تو

1.....لباب الاحیاء، ص368۔

بہر حال اپنا حصہ شامل کرلے۔ یونہی مدرسہ بنانا، کسی کو کوئی دینی کتاب تحفہ دینا بھی ثواب جاری ہے، کہ جتنے افراد پڑھیں گے، عمل کریں گے، ثواب ملتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مبلغ ہے، تقریر و بیان کرتا ہے، اس کا بیان سن کر لوگوں نے کوئی عمل سیکھا اور عمل کرنا شروع کر دیا، اب مبلغ تو بیان کر کے فارغ ہو گیا، لیکن جس نے سنا ہے وہ اس کے بعد پچیس پچاس سال بھی عمل کرتا رہا تو اتنے سالوں تک اس کا ثواب مبلغ کو ملتا رہے گا۔ اسی طرح کسی کی انفرادی کوشش کی وجہ سے یا اس کے دینی اجتماع میں لانے کی وجہ سے یا کسی کو قافلہ میں سفر کروانے کی وجہ سے ایک شخص دعوت اسلامی کے ماحول میں آیا، اس نے داڑھی شریف رکھ لی، عمامہ سجا لیا، نمازیں پڑھنا شروع کر دیں، گناہوں سے بچنا بھی شروع ہو گیا تو اس نیک بننے والے کی پوری زندگی کی نیکیاں مبلغ کو بھی ملتی رہیں گی۔ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"جو بھلائی پر کسی کی رہنمائی کرتا ہے، اسے عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔"[1]

لٰہذا جو صدقہ جاریہ کے کام ہیں، مثلاً علمِ دین پھیلانا، دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرنا، نیکی کی دعوت عام کرنا، کوئی دینی کتاب تصنیف کرنا وغیرہا ان کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ جیسے امام بخاری رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہِ نے "بخاری شریف" لکھی، وہ تو دنیا سے چلے گئے، لیکن بخاری شریف آج تک چل رہی ہے اور امام بخاری رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہِ کے مراتب و مدارج اور قرب و ثواب میں اضافہ کر رہی ہے۔ اسی طرح امام اعظم رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ نے فقہ حنفی کی بنیاد رکھی، شرعی مسائل کا استنباط کیا، لاکھوں مسائل میں لوگوں کو حلال و حرام کی پہچان کروائی اور آج تک لوگ ان مسائل کی پیروی کر رہے ہیں۔ یوں صدیاں گزر گئیں، لیکن پوری دنیا

1.....ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء الدال علی الخیر۔۔۔الخ، 4/ 338، الحدیث: 2670۔

کے کروڑوں لوگوں کے اعمال کا ثواب امام اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی روح مبارک کو ملتا ہے، لہٰذا صدقہ جاریہ یا ثواب جاری کے کام جتنے زیادہ ہو سکیں، کرنے چاہئیں۔

عمل کئے بغیر ثواب

سوال: کیا عمل کئے بغیر ثواب حاصل کرنا بھی ممکن ہے؟

جواب: اس کی چند صورتیں ہیں:

(1) اچھی نیت، کہ فقط نیت کی اور ثواب مل گیا، حدیث مبارک میں ہے:

"جس نے نیکی کا ارادہ کیا، پھر اسے نہ کیا تو اُس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔"[1]

ایک آدمی نیت کرتا ہے کہ میں پوری زندگی باجماعت نماز پڑھوں گا اور نیت کا مطلب ہوتا ہے: دل کا پکا ارادہ، اسی طرح جتنے نیک کاموں کی نیت کرتا رہے گا، اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ چنانچہ نیت ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جس سے آدمی بغیر کام کیے ہی ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

(2) بعض صورتیں ایسی ہیں کہ احادیثِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ عمل نہ کرنے کے باوجود ثواب ملے جائے گا جیسے ایک حدیث مبارک ہے:

"جو شخص کوئی اچھا عمل کرتا تھا، پھر بیماری نے اسے اس عمل سے روک دیا، یا فرمایا کہ سفر نے روک دیا، اس کے لئے اتنی ہی نیکیاں لکھی جائیں گی جتنی وہ تندرست اور مقیم ہونے کی حالت میں کرتا تھا۔"[2]

مثلاً ایک آدمی کا روزانہ فجر کی نماز کے بعد ایک پارہ تلاوت کرنے کا معمول ہے، وہ بیمار

1.....مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء۔۔۔ الخ، ص79، الحدیث: 162۔

2.....شرح السنۃ للبغوی، کتاب الجنائز، باب المریض یکتب له مثل عمله، 5/239، الحدیث: 1427۔

ہو گیااور بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کر پا رہا، آنکھوں کا مسئلہ ہو گیا جس کی وجہ سے تلاوت نہیں کرپارہا تو اللہ تعالیٰ بیماری کے زمانے میں بھی اس کو روزانہ ایک پارہ تلاوت کرنے کا ثواب عطا فرماتا رہے گا۔ اسی طرح ایک شخص نوافل، تہجد کا عادی تھا، اب سفر یا بیماری کی وجہ سے موقع نہیں مل رہا تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے مرض وسفر کے زمانے میں بھی اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔ چنانچہ بغیر عمل کئے ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی زمانہ صحت واقامت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرے، تہجد، ذکر واذکار، تلاوت ، درود شریف اور دیگر نیک اعمال کا عادی رہے۔ یونہی ایسا بڑھاپا جس میں عمل نہیں کر سکتا تو اگر زمانہ صحت میں وہ عمل کر تا تھا تو بڑھاپے کے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ اس کو وہ ثواب عطا فرمادے گا۔ یہ دوسرا طریقہ ہے جس سے آدمی بغیر عمل کیے بھی ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

نیت کا معاملہ اس سے زیادہ وسیع ہے کہ نیت تو کوئی بھی آدمی کر سکتا ہے، جیسے ایک واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل پر سخت قحط کا زمانہ تھا، ایک عابد کا ریت کے ٹیلے سے گزر ہوا تو اس کے دل میں خیال آیا کاش! یہ ریت کا ٹیلہ آٹے کا ہوتا اور میں اس سے بنی اسرائیل کے پیٹ بھر واتا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نبی کی طرف وحی بھیجی، میرے اس بندہ سے کہہ دو کہ تجھے اِس ٹیلے کے برابر بنی اسرائیل کو آٹا کھلانے جتنا ثواب ملتا، ہم نے تمہاری اس نیت کی بدولت ہی اتنا ثواب دے دیا ہے۔(1)

تو اچھی نیتیں بھی بغیر عمل کئے ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، لیکن اچھی نیت کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ جب وقت آئے تو وہ عمل کر بھی لے، محض نیتیں ہی کرتے رہنا بعض اوقات شیطان کا ایک وار بھی بن جاتا ہے کہ آدمی کو نیتوں میں ہی لگا کر رکھتا ہے، کام

1.....مکاشفة القلوب، ص126۔

نہیں کرنے دیتا، نیتیں ساری کرلیں جب موقع آیا تو ایک ٹکے کا بھی کام نہیں کیا، یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس کی نیت ہی نہیں تھی۔

نیک شخص کے منہ پر اس کی تعریف کرنا

سوال: جو شخص بظاہر نیک ہے، اس کے منہ پر اسے نیک کہنا اور اس کی نیکی کی تعریف کرنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: تعریف جھوٹی بھی ہو سکتی ہے اور سچی بھی۔ جھوٹی تعریف کرنا حرام ہے اور اس پر خوش ہونا بھی حرام ہے۔ جھوٹی تعریف پر خوش ہونے کے بارے میں قرآنِ پاک کی نصِ قطعی موجود ہے۔ فرمایا:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾ [1]

ترجمہ: ہر گز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جو اپنے اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے کئے ہی نہیں، انہیں ہر گز عذاب سے دور نہ سمجھو اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

سچی تعریف کرنے کی بہت ساری صورتیں ہیں، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بکثرت صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْھم کی تعریفیں مروی ہیں اور ان میں بہت سی تعریفیں صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْھم کے سامنے ہی فرمائی تھیں، مثلاً صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے فضائل ان کے سامنے بیان فرمائے، عثمانِ غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے جب غزوہ تبوک کے موقع پر متعدد بار مجاہدین کے لئے اونٹ اور غلہ و اخراجات پیش کئے تو سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں

1.....پ4، آل عمران:188۔

فرمایا کہ آج کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں دے گا۔[1]

اسی طرح وہ حدیث مبارک جو عشرہ مبشرہ کے بارے میں ہے کہ دس افراد کو نام لے لے کر فرمایا کہ جنتی ہے، جنتی ہے، اسی طرح اصحاب بدر کے فضائل۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھم کی موجودگی میں فرمایا کہ ان کی پیروی کرو جو میرے بعد ہیں، یعنی ابو بکر و عمر۔[2]

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھم کے متعلق فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔[3]

تو یوں تعریفوں کی فہرست بہت بڑی ہے، اسی لیے حدیث کی کتابوں میں باقاعدہ ایک بہت بڑا باب ہوتا ہے "کتاب المناقب"، کتاب المناقب کا مطلب ہے: تعریفوں کا باب۔ ان میں بہت ساری تعریفیں وہ ہیں جو صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھم کے سامنے کی گئیں، لہٰذا منہ پر تعریف کرنے کا جواز تو موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کی شرائط اور احتیاطوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، کیونکہ دوسری طرف وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیاہے۔ فرمایا:

"اِیَّاکُمۡ وَالتَّمَادُحَ فَاِنَّہُ الذَّبۡحُ" یعنی ایک دوسرے کی تعریف کرنے سے بچو، کیونکہ یہ ذبح کرناہے۔[4]

یا فرمایا

1.....مسند امام احمد، 5/603، الحدیث:12696۔

2.....ترمذی، ابواب المناقب، 6/50، الحدیث:3662۔

3.....جامع بیان العلم وفضلہ، 2/925، الحدیث:1760۔

4.....ابن ماجہ، ابواب الادب، باب المدح، 4/680، الحدیث:3743۔

"اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمِ التُّرَابَ" یعنی جب تم بہت زیادہ تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔[1]

چنانچہ ممانعت کی احادیث بھی موجود ہیں اور اجازت و عمل کی بھی، ہر ایک کا اپنا اپنا محمل ہے اور وہ یہ ہے کہ **جہاں تعریف کرنے کی کوئی دینی حاجت وضرورت یا فائدہ ہو اور جس کی تعریف کی جارہی ہے اسے نقصان نہیں ہے تو منہ پر تعریف کی جاسکتی ہے۔**

دینی فائدہ تو یہ ہے جیسے کوئی آدمی نیک اعمال کرتا ہے، اس کی بہت سارے لوگوں کے سامنے تعریف کی کہ ماشاء اللہ! اس نے اتنے اچھے کام کئے، ماشاء اللہ! اتنے عرصے سے اس کی تہجد پڑھنے، پیر شریف کے روزے کی عادت ہے یا ہمارے جامعات میں طلبہ امتحان دیتے ہیں، اس میں پوزیشن ہولڈر کو انعام دیا جاتا ہے تو یہ بھی اس کی تعریف ہی ہے کہ اس نے پوزیشن حاصل کی ہے۔ کسی کی تعریف میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہے اور جب آدمی کی خواہش اور طلب کے بغیر اچھی ثنا ملے تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ بہر حال تعریف کرنے والا اپنے اوپر غور کرلے اور جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ بھی اپنے اوپر غور کرتا رہے۔ بہتر یہ ہے کہ خاص مقصد و ضرورت کے بغیر ہر کسی کی اس کے سامنے تعریف نہ کی جائے، بلکہ پسِ پشت ہی کی جائے اور جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ تو اپنے دماغ میں مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا تصور لاتا ہی رہے کہ یہ عالمِ کامل بنے گا یا بلعم بن باعورا بنے گا، کوئی پتا نہیں ہے۔

تعریف کرنے کا ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ کسی کی تعریف بعض اوقات اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے لیے مرجع یعنی رجوع کا سبب بنتا ہے۔ جیسے کسی مجلس

1..... مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب النھی عن المدح، 4 / 2297، الحدیث: 69(3002)۔

میں کوئی بہت بڑے عالمِ دین تشریف فرما ہیں۔ اس وقت ان کے سامنے یہ کہنا کہ ماشاء اللہ! یہ حضرت بہت بڑے عالم ہیں، فلاں جگہ سے تشریف لائے ہیں اور اس طرح ان کی نیکی، تقویٰ، پرہیز گاری بیان کرنا درست ہے اور اس وقت تعریف کرنے والے کی نیت یہ ہو کہ میں اس لیے تعریف کر رہا ہوں، تا کہ دوسروں کے دل میں اُس عالمِ دین کی محبت پیدا ہو، کیونکہ دل میں نیک آدمی اور نیک عالم کی محبت پیدا ہونا لوگوں کی نجات کا ذریعہ ہے۔ لوگوں کے دل میں عالم کی محبت پیدا ہو گی تو اس سے مسائل پوچھیں گے، اس کی بات سنیں گے، اس کی صحبت میں بیٹھنا پسند کریں گے۔ تعریف کرنے والا جب ان نیتوں سے تعریف کرے گا تو دوسرے لوگوں کے دلوں میں جو رغبت پیدا ہو گی اور اس کے بعد جو فوائد وہ حاصل کریں گے، اس کا بھی ثواب تعریف کرنے والے کو ملے گا۔ اس اعتبار سے اس کا تعریف کرنا اچھا ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں، لیکن جس کی تعریف کی جا رہی ہے اصل خطرہ اسے ہے، کیونکہ حبِ جاہ کا حملہ اُس پر ہونا ہے، ریاکاری میں پڑنے کا اندیشہ اُسے ہے، خود پسندی کا شکار اس نے ہونا ہے۔ اس لیے دین کا عمومی رجحان یہ ہے کہ سامنے تعریف کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ البتہ یہ یاد رکھیں کہ اولیاء کرام یا وہ حضرات جن کی نیکی اور تقویٰ مُسلَّم ہے اور جن کے حوالے سے لوگوں کا حسنِ ظن بھی بہت زیادہ ہے، بلکہ جنہیں شاید تعریف کی حاجت ہی نہیں ہے، ایسوں کے سامنے ان کی تعریف کرنا بہت حد تک خطرے سے محفوظ ہے، جیسے اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے سامنے آپ کی شان میں مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے ایک پورا قصیدہ پڑھا تو اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے ان کو باقاعدہ انعام دیا۔ اب یہ کیا تھا؟ یہی کہ اِدھر حسنِ نیت موجود اور اُدھر اعلیٰ حضرت رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی مجسمِ عجز و انکسار، پیکرِ اخلاص و تقویٰ ذات تھی۔ اسی طرح دیگر

بہت سے علماء اور اولیاء کے حوالے سے اس طرح کے واقعات مل جائیں گے۔

تعریف میں برائی کا پہلو بھی ہو سکتا ہے کہ تعریف کرنا اس آدمی میں ریاکاری پیدا کر دے مثلاً ایک آدمی تہجد پڑھتا تھا، تعریف کرنے کے بعد کسی دن اس کو تہجد نہیں پڑھنی تھی، لیکن وہ اس وجہ سے پڑھ رہا ہے کہ میں تہجد نہیں پڑھوں گا تو لوگ کیا کہیں گے کہ تہجد تو پڑھتا ہی نہیں ہے۔ لوگوں کے حسنِ ظن کی لاج رکھنے کے اعتبار سے نہیں کہ لوگ حسنِ ظن رکھ رہے ہیں، لہٰذا میں عمل کروں جیسے امام اعظم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے پوری رات عبادت یا اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے حفظِ قرآن کا واقعہ ہے، بلکہ اب وہ تہجد اس لیے پڑھ رہا ہے کہ اسے لوگ تہجد گزار ہی سمجھیں تو یہ ریاکاری میں چلا جائے گا، اب اگر ریاکاری پیدا ہو گئی تو اس سے بڑی تباہی کیا ہو گی کہ عمل برباد اور گناہ لازم۔ لہٰذا جہاں ایسا احتمال ہو وہاں منہ پر تعریف کرنے سے بچے۔

تعریف کرنے کا دوسرا منفی پہلو یہ ہے کہ وہ آدمی حبِ جاہ کا شکار ہو جائے یعنی آدمی کو اپنی تعریف سننا اچھا لگنے لگے اور دل میں خواہش پیدا ہو کہ لوگ میری تعریف کریں، جاہ یعنی عزت اور شہرت کی دل میں محبت پیدا ہونا صفتِ مذمومہ ہے، بذاتِ خود گناہ نہیں ہے، لیکن گناہ تک لے جانے والی چیز ہے اور گناہ تک جانا یوں ہوتا ہے جیسے اوپر سے پانی پھینکیں تو اس نے نیچے ہی جانا ہے، یعنی حبِ جاہ اکثر و بیشتر گناہ تک لے ہی جاتی ہے، اس سے کوئی ہی بچ پاتا ہے۔ امام غزالی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے منہاج العابدین میں اس کے متعلق بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی ہے کہ صدیقین سے سب سے آخر میں دور ہونے والی چیز جاہ

و منصب کی محبت ہے۔[1]

یعنی وہ ریاکاری سے نکل جاتے ہیں، تکبر سے نکل جاتے ہیں، بغض و کینہ سے نکل جاتے ہیں، مگر تعریف پسند کرنے والا معاملہ آخر تک ساتھ چلتا رہتا ہے، البتہ خواص تو شیطان پر غالب آجاتے ہیں، لیکن عام آدمی کا تو شیطان کچھ الٹا کر ہی دیتا ہے، لہٰذا منہ پر تعریف کرنا بہت نازک معاملہ ہے۔ اس لیے معمول یہ ہونا چاہیے کہ منہ پر تعریف نہ کی جائے۔

نیکی قبول ہونے کا کیسے پتا چلے؟

سوال: یہ کیسے پتا چلے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیکیاں قبول ہو رہی اور بڑھ رہی ہیں؟

جواب: اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن رکھے کہ میری نیکی ناقص ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے میرے اس عمل کو قبول فرمالے گا۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جیسا اچھا گمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بندے سے ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے جیسے دعا کے بارے میں بھی ہے کہ دعا کر کے یہ سمجھا کہ قبول نہیں ہونی تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی اور اگر یہ گمان رکھا کہ قبول ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمالیتا ہے۔ یونہی نیکی کر کے بھی آدمی اپنے ذہن میں حسنِ ظن رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی پر اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے، میری نیکی ناقص ہے، لیکن میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری نیکی قبول فرمائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حسنِ ظن کے ساتھ خوف و رجا یعنی ڈر اور امید دونوں پہلو پیشِ نظر رکھیں، امید اس بات کی کہ نیکی قبول ہو جائے گی اور ڈر اس بات کا کہ جیسی میں نے نیکی کی ہے ویسی قبول نہیں ہوتی۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ فرمایا گیا ہے: مومن

1.....احیاء العلوم، 3/821۔

امید اور ڈر کے درمیان درمیان ہوتا ہے، یعنی نہ وہ ایسا ڈرتا ہے کہ قبولیت کی امید ہی ختم کردے اور نہ وہ ایسی امید رکھتا ہے کہ ڈر اور خوف ہی نہ رہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور جری ہونے کی علامت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نیک بندوں کے جو اوصاف بیان کیے ہیں، ان سے بھی یہ چیز ظاہر ہوتی ہے کہ نیکی کرکے آدمی امید بھی رکھے اور ڈرتا بھی رہے، جیسے قرآن پاک میں بندگانِ رحمٰن کے اوصاف بیان فرمائے جن میں یہ بھی وصف ہے:

وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّهِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ (1)

ترجمہ: اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔

اس کے ساتھ فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ٭ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ۖ (2)

ترجمہ: اور وہ جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے، بیشک اس کا عذاب گلے کا پھندا ہے۔

اب دیکھیں! پوری رات عبادت، قیام، سجدے میں گزری، گناہ میں نہیں لیکن پھر بھی یہ مقبولانِ بارگاہ جہنم سے ڈر رہے ہیں کہ اے اللہ! جہنم کا عذاب ہم سے پھیر لینا۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے کہ

وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾ (3)

ترجمہ: اور رات کے آخری حصے میں مغفرت

1.....پ19، الفرقان:64۔

2.....پ19، الفرقان:65۔

3.....پ3، آل عمران:17۔

مانگنے والے (ہیں)۔

یا فرمایا:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (1) ترجمہ: ان کی کروٹیں ان کی خوابگاہوں سے جدا رہتی ہیں۔

بستروں سے جدا رہ کر وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی عبادت، ذکر، تلاوت، لیکن اس کے ساتھ کیا فرمایا کہ

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (2) **ترجمہ:** اور وہ ڈرتے اور امید کرتے اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

اللہ تعالٰی کے عذاب کا ڈر ہے اور اس کے ثواب کی طمع و طلب ہے۔ سبحان اللہ! دیکھیں کہ راتیں ان کی بستروں سے جدا ہیں، خدا کی بارگاہ میں حاضر ہیں، مصلے پر بیٹھے ہیں، قرآن کھلا ہے، نوافل پڑھے جا رہے ہیں اس کے باوجود اللہ کو پکارتے ہیں تو ڈر بھی ہے، طمع بھی ہے، خوف بھی ہے اور امید بھی ہے، لہٰذا معاملہ ڈر اور امید کے درمیان رہنا چاہیے۔ اب یہ چیز کہ ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ہماری نیکیاں اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں قبول ہو رہی ہیں؟ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ غیب کا معاملہ ہے، ہم کنفرم (Confirm) نہیں کر سکتے کہ ہماری نیکی قبول ہو ہی گئی ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالٰی بتا دے، جیسے صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی نیکی کہ آپ کے والد حضرت ابو قحافہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے آپ سے کہا تھا: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو۔ کاش! تم تندرست و توانا غلام آزاد

1.....پ21، السجدۃ:16۔

2.....پ21، السجدۃ:16۔

کرتے جو تمہاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمہاری ڈھال ہوتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے فرمایا: اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1] فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکی کا کوئی مقصد نہیں سوائے اس کے کہ

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰىۚ(۲۰)[2] ترجمہ: صرف اپنے سب سے بلند شان والے رب کی رضا تلاش کرنے کے لئے۔

ان کے بارے میں بیان کر دیا گیا کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی نیکیاں قبول ہو گئی چنانچہ فرمایا:

وَ لَسَوْفَ یَرْضٰىؑ(۲۱)[3] ترجمہ: اور بیشک قریب ہے کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

یا قبولیت کی یقینی صورت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قبولیت کی بشارت سنا دیں جیسے حضرت بلال رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے فرمایا: اے بِلال! مجھے بتاؤ تم نے اِسْلام میں کون سا ایسا عمل کیا ہے جس پر ثواب کی امید سب سے زیادہ ہے، کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سنی ہے؟ عرض کی: میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا۔ ہاں! میں نے دن رات کی جس گھڑی بھی وُضو یا غسل کیا تو اس قدر نماز پڑھ لی جو اللہ نے میرے مُقَدَّر میں کی تھی۔[4]

تو اب ان کے اس عمل کا قبول ہونا سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرما دیا۔ اسی

1.....ازالۃ الخفاء، 1/301۔

2.....پ30، اللیل:20۔

3.....پ30، اللیل:21۔

4.....مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل بلال، ص957، الحدیث:2458۔

طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا، وہاں میں نے سونے اور جواہرات سے بنا ہوا ایک محل دیکھا۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ کہا گیا: یہ عمر فاروق کا محل ہے۔[1] اس طرح کی کثیر احادیث ہیں تو جہاں اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بیان فرمادیں وہاں قبولیت کا یقین ہے، کیونکہ قبول ہونا غیب کا معاملہ ہے اور اللہ کے نبی غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا وہ غیب کی خبر دے دیں اس پر "آمنا و صدقنا" ہمارا ایمان ہے، ہم تصدیق کرتے ہیں، اسے مانتے ہیں۔ لیکن ہمارا معاملہ خوف و رجا کے درمیان ہونا چاہیے۔

قبولیتِ عمل کی ایک نشانی: بزرگوں نے نیکی کی قبولیت کی ایک نشانی یہ بیان کی ہے کہ نیکی کی قبولیت کی یہ پہچان ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندے کو دوسری نیکی کی توفیق دیدے۔ تو جس نے کوئی نیکی کی اس کے بعد دوسری نیکی کی تو یہ پہلی نیکی کے قبول ہونے کی علامت ہو گی۔[2] جیسے توبہ کی علامت بزرگوں نے یہ بیان فرمائی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے[3]

اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے دے تو اس کو پتا چل سکتا ہے کہ توبہ قبول ہو گئی ہے۔ تو نیکی کی قبولیت کی ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ نیکی سے اگلی نیکی کی توفیق ملتی ہے۔

1.....بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ، 3/470، الحدیث: 5226۔

2.....لطائف المعارف، ص221۔

3.....مکاشفۃ القلوب، ص57۔

نکات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر